Date of Publication: 02-10-2013 PRICE Rs. 2/-
POSTED ON 03-04 Oct. 2013
R.N.I No. 2186/57
POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without Prepayment U(C)160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)
ہفت روزہ
ہماری زبان
انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

8-14 October 2013 ۸تا۱۴ اکتوبر ۲۰۱۳ء
Issue: 38, Vol.: 72 شمارہ نمبر: ۳۸، جلد نمبر: ۷۲

داراشکوہ
ہندستان میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی روایت کا علم بردار

پروفیسر شریف حسین قاسمی (D-23، نظام الدین (ایسٹ)، نئی دہلی 110013)

ہندستان متعدد و مختلف مذاہب و عقائد، کئی تمدنوں اور نہ جانے کتنی زبانوں اور بولیوں کا مذہب ہے۔ یہاں مسلمانوں کی آمد کے بعد خاص طور پر آپسی رواداری کی فضا پیدا کرنے کی سنجیدہ کوششیں کی گئیں۔ اس سلسلے میں علمی سطح پر داراشکوہ کی کوششیں نہ سب سے پہلی ہیں اور نہ آخری۔ اس کی ایک دل چسپ اور طویل داستان ہے۔ سیاسی، سماجی، مذہبی اور ادبی میدانوں میں اس نوعیت کی جدوجہد کے نشانات اور ثبوت تلاش کیے گئے ہیں اور آج بھی یہ کام جاری ہے۔ اس ضمن میں خاص طور پر ہندو مذہب اور بعض اسلامی عقائد و روایات میں توافق کی نشان دہی کی گئی ہے اور اس طرح ان مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی نیک نیتی پر مبنی کوششیں قابل قدر رہی ہیں۔ اس سلسلے میں بیرونی (۹۷۳-۱۰۵۰) کی بے مثال اور تاریخ ساز مساعی سے کون واقف نہیں۔ ہندستان کے تقریباً تمام ہی بنیادی مذہبی اور تہذیبی اور دیگر علمی ماخذ کا قرون وسطی کے مختلف ادوار میں فارسی میں بار بار ترجمہ اسی نیک نیتی پر مبنی مسلسل جدوجہد کا پتا دیتا ہے۔

ان میں بیشتر ترجمے ہندو پنڈتوں اور مسلمان فضلا کے مشترک علمی و ادبی تعاون کا نتیجہ ہیں۔ علمی سطح پر یہ تعاون ظاہر ہے کہ کسی زور زبردستی یا کسی شخصی منافع کی غرض سے عمل میں نہیں آ رہا تھا بلکہ ترجمہ کرنے والوں اور ترجمہ کرانے والوں کے ذہن میں یہ بنیادی مقصد جاگزیں تھا کہ ہندو مذہب اور تہذیب کے گوناگوں پہلو ان کتابوں کی اصل زبان سنسکرت نہ جاننے والوں اور خاص طور پر مسلمانوں پر روشن ہو جائیں اور اس طرح ان دونوں مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان افہام و تفہیم کے دروازے کھلیں، کچھ غلط فہمیاں دور ہوں۔ یہی بات ابوالفضل نے اکبر کے حکم سے مہابھارت کے فارسی میں ہونے والے ترجمے رزم نامے کے اپنے مقدمے میں کہی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''بادشاہ روشن ضمیر پس از مشاہدۂ خصومت و بدگمانی تعصب آلودی کہ میان ہندوان و مسلمانان وجود داشت و نیز از آن رو کہ معتقد شدہ بود کہ تنہا خاستگاہ و سبب این امر سوء تفاہم و ناآگہی متقابل این دو ملت نسبت بہ یکدیگر است، در صدد آمد تا با ترجمۂ آثار ہندوان و قابل فہم نمودن آنہا برای مسلمانان، این عامل تفرقہ را نابود آید۔ او در اولین گام، مہابھارت را بہ عنوان جامع ترین اثری کہ از بالاترین اعتبار نیز برخوردار است، برگزید و فرمان داد تا افرادی بی طرف و صاحب صلاحیت از ہر دو ملت بہ ترجمۂ آن اقدام کنند''۔

(روشن ضمیر بادشاہ نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین تعصب آلود خصومت اور بدگمانی کو دیکھا۔ ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ اس کی وجہ اور سبب ان دونوں مذاہب کے ماننے والوں کے درمیان ایک دوسرے کی نسبت سوء تفاہم اور ناواقفیت ہے۔ اس لیے بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ ہندو کتابوں کا ترجمہ ہو اور انھیں مسلمانوں کے لیے قابل فہم بنایا جائے تاکہ اختلاف کا یہ عامل ختم ہو۔ بادشاہ نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ اس کام کے لیے مہابھارت کا انتخاب کیا کہ یہ جامع ترین اور معتبر ترین کتاب ہے۔ حکم دیا کہ دونوں طبقوں کے افراد میں سے بے طرف اور صاحب صلاحیت یہ ترجمہ کریں)۔

اسی احساس اور ضرورت کے نتیجے میں مختلف ادوار میں رامائن کے کم از کم چوبیس، بھگوت پران کے گیارہ، بھگوت گیتا کے آٹھ اور خود مہابھارت کے بھی بار ترجمے کیے گئے۔ ان تراجم میں عمداً کسی تحریف کی نشان دہی نہیں کی گئی ہے۔ ان میں سے بعض خود ہندو علما کی کوششوں کا نتیجہ ہیں یا پھر ہندو کاتبوں نے ان کی کتابت کی ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ یہ تراجم ہندوؤں کے لیے بھی قابل قبول تھے۔

داراشکوہ نے اسی روایت کی توسیع میں جو کوششیں کیں وہ قابل قدر ہیں اور ان کی نوعیت تاریخی ہے۔ داراشکوہ کی مختلف کتابوں سے یہ آسانی اندازہ ہو جاتا ہے کہ معارف اسلامی پر اس کی وسیع نظر تھی۔ میاں میر لاہوری اور ملا شاہ بدخشی کی صحبتوں میں اس نے تصوف کے حقائق و دقیق امور سے بھی واقفیت حاصل کر لی تھی اور خود اس کے بہ قول وہ اس میدان میں ایک اعلا مقام پر فائز تھا اور اس موضوع پر چار کتابیں 'سفینۃ الاولیا'، 'سکینۃ الاولیا'، 'رسالۂ حق نما' اور 'حسنات العارفین' سپرد قلم کی تھیں۔ ہندو عرفان کو سمجھنے کے لیے اس نے بابا لال دیال سے جو کبیر کے پیروکار تھے، مکالمہ کیا تھا اور اس افہام و تفہیم کے بعد داراشکوہ نے ۱۰۶۵ھ میں 'مجمع البحرین' میں اسلامی و ہندو عرفان کے بعض مشترک اور مشابہ امور کی وضاحت کی تھی۔ ان مراحل سے گزرنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ ہندو مذہب کی اصل کتاب 'اپنشد' کا فارسی میں ترجمہ کرے۔ وہ سنسکرت لازمی طور پر جانتا تھا لیکن اپنشدوں کے ترجمے کے لیے اس نے اپنے وقت کے صاحب استعداد پنڈتوں کی مدد اور راہنمائی حاصل کی اور پچاس اپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ مکمل کیا۔ یہ لفظ بہ لفظ ترجمہ ہے اور کہیں کہیں جملے کی وضاحت کے لیے اپنشدوں کی تفاسیر سے عبارتوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اس کام میں شنکر اچاریہ کی تفسیر سے زیادہ استفادہ کیا گیا ہے۔ داراشکوہ نے 'مجمع البحرین' کیوں لکھی اور اپنشدوں کا ترجمہ کیوں کیا تھا، ان سوالات کا جواب خود داراشکوہ نے اپنی ان دونوں کتابوں کے مقدموں میں دیا ہے۔ یہ اجمالی لیکن معلوماتی اور تاریخی نوعیت کا ہے۔ 'مجمع البحرین' میں کہا:

''بعد از دریافت حقیقۃ الحقائق و تحقیق رموز و دقائق مذہب برحق صوفیہ و فائز گشتن بہ این عطیۂ عظمیٰ در صدد آن شد کہ درک کند مشرب

موحدان ہند و محققان این قوم و کاملان ایشان کہ بہ نہایت ریاضت و ادراک و فہمیدگی و بہ غایت تصوف و خدا یابی رسیدہ بودند، مکرر صحبت داشتہ و گفتگو نمودہ جز اختلاف لفظی در دریافت و شناخت حق تفاوتی ندید، از این جہت سخنان فریقین را باہم تطبیق دادہ و بعضی از سخنان کہ طالبان حق را دانستن آن ناگزیر و سودمند است، فراہم آوردہ رسالہ ای ترتیب دادہ است۔"

(مجمع البحرین، دارا شکوہ، ترتیب: جلالی نائینی، تیر ماہ، ۱۳۳۵ھ تہران، ص ص ۱-۲)

(حقائق کی حقیقت معلوم کی۔ صوفیا کے برحق مذہب کے رموز و دقائق کی تحقیق کی۔ اس عظیم نعمت پر فائز ہونے کے بعد طے کیا کہ ہندستان کے موحدوں، اس قوم کے محققوں اور کاملوں کے مشرب کو سمجھا جائے۔ یہ وہ ہندستانی ہیں جو بے نہایت ریاضت و ادراک کے بعد تصوف اور خدایابی کی معراج کو پہنچ چکے ہیں۔ ان سے بار بار ملا اور گفتگو کی۔ حق تعالیٰ کو دریافت اور شناخت کرنے میں (اسلامی تصوف کے بارے میں) سوائے لفظی اختلاف کے کسی اور قسم کا فرق نظر نہیں آیا۔ اس لیے دونوں فرقوں کے عقائد کی تطبیق کی اور بعض ایسی باتیں جن کا طالبانِ حق کے لیے جاننا ناگزیر اور فائدہ مند ہے، جمع کیں اور ایک رسالہ مرتب کیا۔)

دارا شکوہ کی یہ 'مجمع البحرین' پہلی کتاب ہے جس میں ہندو اور اسلامی تصوف کے مشترک پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسلامی تصوف اور ہندو عرفان کی بہت سی اصطلاحات اور ان کے مفہوم میں یکسانیت کو واضح کیا گیا ہے۔ یہ ایک مشکل کام تھا جسے سب سے پہلے دارا شکوہ نے انجام دیا۔ اسے احساس تھا کہ کچھ کند فہم ایسے ہوں گے جنھیں اس کی یہ کوشش پسند نہیں آئے گی اور وہ اس کے فوائد سے بے بہرہ رہیں گے اس لیے وضاحت کر دی کہ یہ تحقیقی کام اس نے اپنے کشف و ذوق کے مطابق انجام دیا ہے اور یہ کتاب خود اپنے اہلِ بیت کے لیے لکھی ہے۔ دونوں قوموں کے عوام الناس سے سروکار نہیں۔

ہندستان میں ہندو مذہبی اور تہذیبی کتابوں کے فارسی میں تراجم کیے گئے، آپسی اتحاد اور بھائی چارے کی ضرورت و مناسبت پر خوب گفتگو بھی ہوتی رہی۔ بشر دوستی پر ہمارے شعرا نے بھی آسمان سر پر اٹھائے رکھا تھا اور یہاں تک کہہ دیا کہ

شیعہ و سنی و ملحد نیستم
کم کسی داند کہ این ہم مشربی است

(میں نہ شیعہ ہوں نہ سنی، ملحد بھی نہیں۔ بہت کم ہیں ایسے لوگ جو یہ جانتے ہیں کہ یہ بھی ایک مشرب اور طریقۂ زندگی ہے)۔ خسرو دہلوی نے ہندوؤں کو موحد سمجھا ہے۔ ہندو تہذیب کی تعریف کی ہے۔

ہندو اور مسلمانوں نے ایک دوسرے کی تالیفِ قلب کے لیے اور دوسرے قدم بھی اٹھائے لیکن ہندوؤں میں عقیدۂ توحید، پیغمبر اور آسمانی کتاب کے بارے میں دارا شکوہ سے پہلے شاید ہی کسی نے نہایت وضاحت سے گفتگو کی ہوگی۔ اس کا سہرا دارا شکوہ کے سر ہے۔

دارا شکوہ کو خوب علم تھا کہ مسلمان توحید، توحید وجودی کے مسئلے میں نہایت حساس رہے ہیں۔ پیغمبروں اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں کے بارے میں بھی ان کا رویہ مخصوص رہا ہے، وہ مشکل ہی سے ایسے شخص کو پیغمبر اور اس کی کتاب کو صحیفۂ آسمانی ماننے کے لیے تیار ہوتے ہیں، جن کا ذکر قرآن حکیم میں نہیں۔ اس سلسلے میں اس نے ایک انقلابی قدم اٹھایا اور ایسی بات کہہ دی جو ہندستان میں اس سے پہلے اتنی وضاحت سے نہیں کہی گئی تھی، لیکن اس کی صداقت کا حق کہ علمائے اسلام کو بھی احساس و ادراک تھا۔

اس بارے میں دارا شکوہ نے اپنشدوں کے اپنے ترجمے کے مقدمے میں کہا ہے کہ:

"پس در پی آن شد کہ از چہ جہت در ہندستان وحدت عیان، گفتگوی توحید بسیار است و علمای ظاہری و باطنی طائفۂ قدیم ہند را بر وحدت انکاری و بر موحدان گفتاری نیست بلکہ پایۂ اعتبار است، بر خلاف جہلای این وقت کہ خود را علما قرار دادہ اند و از پی قیل و قال و آزار و تکفیر و انکار خدا شناسان و موحدان افتادہ، جمیع سخنان توحید را کہ از فرقان مجید و احادیث صحیح نبوی صریح ظاہر است، رد می نمایند و راہزنان راہ خدا اند۔"

(پس یہ سمجھنے کی کوشش شروع کر دی کہ ہندستان میں جہاں وحدت ہر طرف نمایاں ہے، اور توحید کی باتیں ہوتی رہتی ہیں اور ہندستان کے قدیم علما کو ظاہری اور باطنی طور پر وحدت کے تصور سے انکار نہیں ہے اور موحدین پر انھیں اعتراض نہیں، بلکہ وہ اس عقیدے کو معتبر سمجھتے ہیں، اس کے برخلاف اس وقت کے جہلا جو خود کو علما کہتے ہیں اور اس نوعیت کے خدا شناسوں اور موحدوں کے بارے میں قیل و قال کرتے ہیں، ان کی تکفیر اور ان کا انکار کرتے ہیں، اور اسی طرح توحید کے بارے میں جو تمام باتیں قرآن مجید اور احادیث نبوی سے واضح و آشکار ہیں، انھیں رد کرتے ہیں اور راہِ خدا سے انحراف کرتے ہیں۔)

دارا شکوہ نے وضاحت کی ہے کہ قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا
(بنی اسرائیل،۱۰)

(اور ہم نہیں ڈالتے بلا، جب تک نہ بھیجیں رسول)

یا وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ
(۲۵/۵۷)

(اور کوئی فرقہ نہیں جس میں نہیں ہو چکا کوئی ڈر سنانے والا)

دارا شکوہ نے اس کے بعد اسی مفہوم کی یہ آیت نقل کی ہے:

لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ (فاطر،۲۴)

ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تاکہ لوگ سیدھے رہیں انصاف پر)۔

اس کے بعد دارا شکوہ نے قرآن کریم کی ایک اہم آیت نقل کی ہے اور اس کی عام تفسیر سے الگ شرح و وضاحت کی ہے۔ آیت ہے:

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ (۵۶/۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰)

بے شک یہ قرآن ہے عزت والا۔ لکھا ہوا ایک پوشیدہ کتاب میں، اس کو وہی چھوتے ہیں جو پاک بنائے گئے ہیں۔ اتارا ہوا ہے پروردگارِ عالم کی طرف سے۔

اس آیت میں فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ سے مفسرینِ قرآن نے بالاتفاق لوحِ محفوظ مراد لی ہے اور آیت کے دوسرے حصوں کے بارے میں یہ وضاحت کی ہے کہ اسے فرشتے ہی چھوتے ہیں، یعنی آسمانوں پر فرشتوں کے علاوہ کسی کی بھی رسائی اس قرآن تک نہیں ہوتی۔ اس میں ان مشرکین کی تردید ہے جو کہتے تھے کہ قرآن شیاطین لے کر اترتے ہیں۔ تب اللہ نے فرمایا: یہ کیوں کر ممکن ہے، یہ قرآن تو شیطانی اثرات سے بالکل محفوظ ہے۔

اب توجہ فرمایئے کہ دارا شکوہ نے اس آیت کے کیا معنی لیے ہیں اور اس کی کیا تشریح کی ہے: وہ اپنشدوں کے اپنے فارسی ترجمے کے مقدمے میں لکھتا ہے۔

خود توحید کے لب لباب اپنکھت، یعنی پوشیدہ اسرار تمام اولیاء اللہ کے مطالب کا منتہا ہے۔ ۱۰۶۷ھ میں بے غرضی کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا۔ ہر مشکل اور ارفع واعلیٰ امور جسے سمجھنا چاہتا تھا، اور اس کی جستجو میں رہتا تھا اور وہ مجھے کہیں نہیں مل سکیں، اس قدیم کتاب کے خلاصے میں مجھے مل گئیں۔ یہ کتاب بے شک و شبہ سب سے پہلی آسمانی کتاب ہے۔ تحقیق کا سرچشمہ اور توحید کا سمندر ہے۔ یہ قرآن مجید کے موافق بلکہ اس کی تفسیر ہے۔ واضح ہوتا ہے کہ یہ آیت إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ... اسی کتاب کے بارے میں ہے۔ دارا شکوہ اس آیت کا یہ ترجمہ کرتا ہے:

"یعنی قرآن کریم ایک کتاب میں ہے، یہ کتاب پنہاں ہے۔ اس کو کوئی نہیں سمجھ سکتا (درک نمی کند) سوائے اس دل کے جو پاک و مطہر ہے اور یہ پروردگار دو جہاں کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔"

دارا شکوہ مزید لکھتا ہے:

"مشخص اور معلوم ہے کہ یہ آیت زبور، توریت اور انجیل کے بارے میں نہیں ہے۔ لفظ تنزیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لوحِ محفوظ کے بارے میں بھی نہیں ہے اور چوں کہ اپنکھت جو ایک چھپائے رکھنے کے قابل راز ہے، اس کتاب کی اصل ہے اور قرآن کریم کی آیات بعینہٖ اس میں پائی جاتی ہیں۔ پس تحقیق سے کہا جا سکتا ہے کہ کتاب مکنون یہی قدیم کتاب ہے۔ اس کتاب سے اس فقیر کو جو معلوم نہ تھا معلوم ہو گیا اور جو سمجھ میں نہیں آتا تھا وہ سمجھ میں آ گیا۔"

دارا شکوہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ چار آسمانی کتابیں رگ وید، یجر وید، سام وید اور اتھر وید اس وقت کے انبیا پر تمام احکام کے ساتھ نازل ہوئیں۔ ان میں سب سے عظیم برہما ہے جو آدم صفی اللہ ہے۔ دارا شکوہ نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ اس نے اس کتاب کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کیا ہے تاکہ وہ یہ سمجھ سکے کہ اس میں کیا راز ہے کہ یہ جماعت (ہندو) اس کتاب کو اہلِ اسلام سے اس قدر پوشیدہ اور پنہاں کیوں رکھتی ہے۔

دارا شکوہ کے بعد ہی علمائے اسلام اور عرفا نے اس مسئلے پر نسبتاً زیادہ وضاحت سے اظہارِ خیال کیا۔ انھوں نے تسلیم کیا کہ لازمی طور پر ہندستان میں رسول و نبی آئے، ان پر کتاب یا کتابیں بھی نازل ہوئی ہوں گی، ممکن ہے ان میں وید شامل ہوں، لیکن ان حضرات نے یہاں بھیجے جانے والے کسی پیغمبر کا نام نہیں لیا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، ان کے معاصر معروف عارف جانِ جاناں اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز کے اس سلسلے میں عقائد و نظریات، دارا شکوہ کے ان خیالات کی صدائے بازگشت کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا۔

(سہ ماہی اردو ادب نئی دہلی، اپریل تا جون ۲۰۱۳ء)

■❖■

دوسری اور آخری قسط

مکالمہ پسند دارا شکوہ

پروفیسر منیجر پانڈے

ہندی سے ترجمہ: سرورالہدیٰ

شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ

جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی 110025

۱۶۵۵ میں 'مجمع البحرین' کا 'سمندر سنگم' نام سے ترجمہ کرتے ہوئے دارا شکوہ نے کچھ تبدیلی بھی کی ہے۔ اورنگ زیب کے فوجیوں کے ذریعے جو دارا شکوہ پکڑے گئے اور اورنگ زیب کے سامنے قیدی کی شکل میں لائے گئے تب اس کے قتل کے لیے اورنگ زیب کو ایک بہانہ چاہیے تھا۔ اورنگ زیب بہانہ اس لیے تلاش کر رہا تھا کہ اپنے کام کو جائز ٹھہرا سکے۔ اورنگ زیب نے مولویوں سے 'مجمع البحرین' کے نام پر ہی دارا شکوہ کے خلاف فتویٰ جاری کروایا، جس میں یہ کہا گیا تھا کہ دارا شکوہ نے ہندو مذہب کو اسلام کے برابر مان کر دونوں کے درمیان وحدت کی بات کی ہے۔ اس کا جرم تھا کہ اس نے ہندو مذہب کو اسلام کے برابر مانا۔ دارا شکوہ نے سمندر سنگم کی ابتدا میں جو کچھ بھی لکھا ہے اس سے ظاہر ہے کہ اس کے دل میں اسلام کے تئیں گہرا لگاؤ تھا لیکن ہندو مذہب، فلسفہ کے تئیں اس کے دل میں ایک کھلا پن بھی تھا۔

بنیادی بات یہ ہے کہ دارا شکوہ وحدانیت کی تلاش کر رہا تھا۔ اسے لگا کہ قرآن میں وحدانیت ہے اور اپنشدوں میں بھی۔ مکالمے کے عمل سے ہی دارا شکوہ اس نتیجے پر پہنچا تھا۔ دارا شکوہ نے جو روایت 'مجمع البحرین' کے وسیلے سے شروع کی تھی اس کا ارتقا دور جدید میں پنڈت سندر لال کی کتاب 'گیتا اور قرآن' (۱۹۴۲ء) میں دکھائی دیتا ہے۔

دارا شکوہ نے ہندو مذہب اور اسلام کے درمیان مکالمے کا جو عمل شروع کیا تھا اس کا ایک اور روپ 'سرِ اکبر' میں دکھائی دیتا ہے۔ 'سرِ اکبر' باون اپنشدوں کا فارسی میں ترجمہ ہے۔ 'سرِ اکبر' نام کی بھی خاص اہمیت ہے، اس کا مطلب ہے عظیم راز۔ اس کتاب کے دیباچے کا ایک جملہ یوں ہے: "وحدانیت کی ایسی شاعری جس میں سچائی کا راز پوشیدہ ہے۔" اپنشدوں کے اپنے فارسی ترجمے کی کتاب کو سرِ اکبر کہتے وقت دارا ایک طرح سے اپنے پیش رو اکبر کو بھی یاد کر رہا تھا، جنھوں نے ایسے ترجموں کی روایت شروع کی تھی۔ دارا شکوہ کے ترجمے کا مخطوطہ ۱۷۷۵ء میں انکت دل ڈیروں کو ایم۔ برنیر کے وسیلے سے ملا۔ ڈیروں ایک بڑا ترجمہ نگار تھا، جس نے دارا شکوہ کے اپنشدوں کے ترجمے کا ترجمہ لاطینی اور فرانسیسی دونوں زبانوں میں کیا تھا۔ وہ لاطینی ترجمہ ۱۸۰۱ میں چھپا، جس کا جرمن ترجمہ ۱۸۸۲ میں چھپا۔ ان ترجموں کے چھپنے کے بعد یوروپ کو اپنشدوں کا علم ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ دارا شکوہ کے ترجمے سے یوروپ اس علم سے آشنا ہو سکا۔ ان ہی ترجموں کو شوپنہار، شیلے اور امرسن وغیرہ نے پڑھا تھا۔ اس طرح یہ ظاہر ہے کہ مدھیہ کالین ہندوستان کا سب سے بڑا مترجم ہے دارا شکوہ، جس نے ہندوستانی علم کو یوروپ تک پہنچانے میں سفیر کا کردار ادا کیا۔ اس ترجمے کے وسیلے سے بھی دارا شکوہ مکالمے کے عمل کو ہی وسیع کر رہا تھا۔ ترجمہ اپنے آپ میں مکالمہ ہی ہے، دو زبانوں، دو تہذیبوں اور دو اذہان کے درمیان۔

دارا شکوہ نے بابا لال داس کا ایک جملہ ہمیشہ یاد رکھا۔ "سچائی پر کسی ایک مذہب کا اختیار نہیں ہوتا۔" اس کو دھیان میں رکھ کر اس نے 'مجمع البحرین' میں خدا کے وجود، تجارت، علم وغیرہ کے پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے قرآن سے ہندو صحیفوں کا تقابل کیا اور اسلام اور ہندو مذہب کے درمیان وحدت کی نشان دہی کی۔ اس نے روح، فنا، خدا، تجارت، مادہ وغیرہ کا تفصیل سے دانشورانہ تجزیہ کیا ہے۔

دارا شکوہ اور بابا لال داس کے درمیان سات نشستوں میں مختلف دانشورانہ موضوعات پر جو گفتگو ہوئی اس کی تفصیلات 'مکالمہ لال و دارا شکوہ' نام کی کتاب میں ملتی ہیں۔ اس کتاب کے لکھنے والے چندر بھان برہمن ہیں جو خود فارسی اور ہندی کے شاعر تھے اور دارا شکوہ کے دوست بھی۔ وہ دارا شکوہ اور بابا لال داس کے درمیان مکالمے کے وقت موجود تھے۔ آپ ذرا سوچیے کہ یہ بات کس زبان میں ہوتی ہوگی۔ اگرچہ چندر بھان نے اسے فارسی میں لکھا ہے لیکن بکرم جیت حسرت کی رائے ہے کہ وہ بات چیت ہندی میں ہوتی تھی۔ بابا لال داس سے جو بات چیت ہوئی اس کا تعلق فلسفہ اور علم سے تھا۔ بابا لال داس سے جڑے ہوئے دارا شکوہ کبیر کی روایت کے بھی نمائندہ معلوم ہوتے ہیں۔ لال داس سے دارا شکوہ کی بات چیت کافی لمبی ہوتی ہے۔ میں صرف مثال کے لیے تین چار سوال اور اس کے جواب آپ کے سامنے رکھتا ہوں جنھیں پڑھ کر دارا کے تجسس، فکرمندی اور مکالمے کی نوعیت کو سمجھا جا سکتا ہے:

سوال (۱): ناد اور وید میں کیا فرق ہے؟

جواب: وہی فرق ہے جو حکم دینے والے راجا میں اور اس کے ذریعے دیے گئے حکم میں۔ اول ناد ہے اور دوسرا وید۔

سوال (۲): چندر کی روشنی کیا ہے، اس میں خالی کیا ہے اور... کی وجہ کیا ہے؟

جواب: خود چاند میں کوئی روشنی نہیں ہے۔ وہ ایک بے رنگ مادہ ہے، جس پر سورج کی کرنیں پڑتی ہیں، اس کی زمین سمندروں کا عکس ہے اور اس کی خالی جگہ زمین ہے۔

سوال (۳): اگر یہ... کی بات کی جائے تو سورج پر اسی مقدار میں کیوں نہیں ظاہر ہوا؟

جواب: سورج آگ کے گولے کی طرح ہے۔ چاند پانی کے گولے کی طرح ہے۔ پانی میں پڑتا ہے لیکن آگ میں نہیں۔

سوال (۴): ہندوؤں میں مورتی پوجا کا کیا اصول ہے؟ کس نے اس کو رائج کیا؟

جواب: دل کو دھیان دینے کے لیے یہ... قائم کی گئی، جس کو حقیقت کی پہچان ہے وہ اس وجہ سے اس کے خدائی روپ سے باہر ہے۔ جب تک انسان کو سچائی کا علم نہیں ہوتا ہے وہ خدائی روپ ہیں۔ یہی حال گڑیوں لڑکیوں کا ہے جو گویا سے کھیلتی ہیں۔ عورتیں شادی شدہ ہونے پر اسے چھوڑ دیتی ہیں۔ یہ بھی ایک طرح کی مورتی پوجا ہے۔ جب تک انسان اس راز کو نہیں جان جاتا وہ خدائی روپ سے جڑا رہتا ہے۔ جب انسان داخلی معنی تک رسائی حاصل کر لیتا ہے وہ اس کو چھوڑ دیتا ہے۔"

یہ مورتی پوجا کی ویدانتی تشریح نہیں ہے۔ بابا لال داس کے جواب سے یہ ظاہر ہے کہ انسان کے جذبے کو ایک بنیاد چاہیے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ سارے ہندو مورتی کی پوجا کریں، یہ ضروری نہیں ہے۔ خود بابا لال داس نے کہا ہے: میں ہندو ہوں لیکن مورتی کی پوجا نہیں کرتا۔ اس پورے مکالمے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ سترہویں صدی میں ہوا ہے۔ اس بات چیت کے پیچھے جو سائنسی ذہن عمل پذیر ہے اس پر بھی دھیان دینے کی ضرورت ہے۔ کچھ لوگوں نے یہ شبہ ظاہر کیا ہے کہ دارا شکوہ فن زراعت پر کتاب کیوں لکھیں گے۔ مجھے لگتا ہے کہ جس کا عام زندگی سے لگاؤ ہوگا اسے زراعت کے فن میں بھی دل چسپی ہوگی۔

پریم چند نے ۱۹۰۸ میں ایک کہانی لکھی تھی 'دارا شکوہ کا دربار'۔ یہ کہانی ابھی ہندی میں دستیاب نہیں ہے۔ ہمارے ایک طالب علم سرورالہدیٰ نے میرے لیے اسے دیوناگری میں منتقل کیا ہے۔ پریم چند کی اس کہانی کو میں اس لیے یاد کر رہا ہوں کہ اس میں دارا شکوہ کے دربار میں دو تین مذاہب کے مفکرین دارا سے گفتگو کرتے ہیں جس میں اختلاف کا پہلو بھی ہے۔ اس مکالمے کے ساتھ ہی کہانی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کہانی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پریم چند دارا شکوہ کی حساسیت سے واقف تھے اور متفق بھی۔ ایسا نہیں ہے کہ دارا شکوہ نے مکالمے کا جو عمل شروع کیا تھا اس کے خطرات سے وہ ہوشیار نہیں تھے۔ انھوں نے 'مجمع البحرین' اور 'سرِ اکبر' میں لکھا ہے: "میں یہ کام اپنے اطمینان کے لیے کر رہا ہوں، عام لوگوں کے لیے نہیں۔" انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ زیادہ سے زیادہ اسے میرے خاندان کے لوگ پڑھیں، اگر وہ پڑھنا چاہیں تو۔ کتاب کے دیباچے کے اخیر میں دارا شکوہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "وہ... ہوگا جب لالچ سے آزاد ہو کر ایمان داری سے اور خدا کی عنایت سے ہر طرح کی جانب داری سے نجات پاکر اس کا مطالعہ اور شعور حاصل کرے گا۔" دارا شکوہ یہاں اپنی کتاب پڑھنے کے جو فوائد بتا رہا ہے وہ ہندوستانی روایت کا حصہ ہے۔ پرانوں میں ایسا بار بار کہا گیا ہے۔

میں پہلے بھی یہ کہہ چکا ہوں کہ دارا شکوہ فارسی اور ہندی میں شاعری کرتا تھا۔ اس کی فارسی شاعری میں ایک ایسے آزاد انسان کا اظہار ہوا ہے جو شدت پسندی سے کوسوں دور ہے۔

نہ صرف دارا شکوہ اور اس کا پورا خاندان ختم ہو چکا تھا بلکہ خود اورنگ زیب نے اپنے زیادہ تر بیٹے بیٹیوں کو جیل میں ڈال دیا تھا۔ زندگی کے آخری دنوں میں اورنگ زیب نے اپنا ایک وصیت نامہ لکھوایا۔ اس کو پڑھ کر محسوس ہوگا کہ اورنگ زیب نے زندگی بھر جو کیا اس کو لے کر زندگی کے آخری دنوں میں پشیمان تھا، لیکن جو ہونا تھا سو ہو چکا تھا بلکہ خود اورنگ زیب نے اپنے اس وصیت نامے میں ایک جملہ لکھا ہے: "یہ ہمیشہ یاد رکھو کہ بادشاہوں کے لفظ بنجر ہوتے ہیں۔" صرف دانشوروں، مفکروں اور شاعروں کے لفظ بنجر نہیں ہوتے جیسے دارا شکوہ کے لفظ بنجر نہیں ہوئے۔ اس دنیا میں ہمیشہ سے دو قسم کی لڑائیاں لڑی جاتی رہی ہیں۔ ایک تلوار اور دوسری قلم سے۔ تلوار کی لڑائی میں اورنگ زیب جیت گیا، قلم کی لڑائی میں دارا شکوہ جیتا اور وہ تب تک امر رہے گا جب تک نظریہ (خیال) اہم مانا جاتا رہے گا۔

(سہ ماہی اردو ادب، نئی دہلی
اپریل تا جون ۲۰۱۳ء)

■◆■

اردو دُنیا

ڈائٹ کے ۹ سینٹروں میں

ایک سینٹر اردو اساتذہ کے لیے مخصوص کیا جائے

نئی دہلی (۲۳ر ستمبر)۔ دہلی سرکار کے ذریعے اساتذہ کو ٹریننگ دینے کے پیش نظر راجدھانی میں ڈائٹ کے 9 سینٹر چلائے جارہے ہیں۔ فیڈریشن فار ایجوکیشنل ڈیولپمنٹ کے مطالبے پر وزیر اعلا شیلا دکشت نے ان 9 سینٹروں میں سے ایک کو اردو ٹیچرس کے لیے مخصوص کیے جانے کا وعدہ کیا، ساتھ ہی یقین دہانی کرائی کہ جہاں اردو پڑھنے والے بچے ہوں گے وہاں اردو ٹیچرس کا انتظام کیا جائے گا۔ وزیر اعلا شیلا دکشت نے یہ وعدہ اور یقین دہانی فیڈریشن فار ایجوکیشنل ڈیولپمنٹ کے وفد کو کرائی۔

قابل ذکر ہے کہ فیڈریشن فار ایجوکیشنل ڈیولپمنٹ کے وفد نے آج ڈائٹ کے ایک سینٹر کو اردو ٹیچرس کے لیے مخصوص کیے جانے کے مطالبے کو لے کر وزیر اعلا شیلا دکشت سے ملاقات کی۔ فیڈریشن کے چیئرمین عبدالعلیم برنی نے ملاقات کے دوران پچھلے دنوں دیے 11 نکاتی میمورنڈم کے سلسلے میں شیلا دکشت کو یاددہانی کرائی۔ خوشگوار ماحول میں ہوئی ملاقات کے دوران وزیر اعلا شیلا دکشت نے وفد کے اراکین کی باتوں کو سنجیدگی سے سنا۔ فیڈریشن کے جنرل سکریٹری شکیل احمد نے وزیر اعلا شیلا دکشت کو بتایا کہ دہلی میں مذکورہ 9 سینٹروں میں سے اگر ایک سینٹر اردو اساتذہ کے لیے مخصوص کردیا جائے تو اردو والوں کو کافی فائدہ ہوگا۔ وفد میں ڈاکٹر زین العابدین، مولانا قسیم احمد فاروقی، ڈاکٹر احسن میاں، ماسٹر این اے کریمی، چودھری مستقیم اور محمد کامل شامل تھے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

تھانوں سے اردو مترجمین کو ہٹانے کے فیصلے پر سخت ردعمل

پڈرونہ، کشی نگر (۱۸ر ستمبر)۔ کشی نگر کے مختلف تھانوں میں تعینات کیے گئے اردو مترجمین کو یہاں کے پولیس کپتان کے ذریعے گزشتہ 6 مہینے سے پولیس ہیڈ آفس سے اٹیچ کردیے جانے پر مختلف لوگوں نے اپنی ناراضگی ظاہر کی ہے اور اس کے ذمہ دار افسران پر حکومت کے منشا کے برعکس کام کرنے کا الزام لگایا ہے۔ اس سلسلے میں سابق ضلع پنچایت رکن محمود علی ہاشمی نے کہا کہ ملائم سنگھ کی سابقہ حکومت نے ہر تھانوں پر اردو مترجم کی تعیناتی کی تھی، جس کا مقصد تھا کہ تھانوں پر کسی طرح کے اردو میں آئے کاغذات یا تحریر کا اردو ترجمہ کرنے میں سہولت ہو اور اس سے لوگوں کو سہولت بھی ملتی تھی لیکن گزشتہ 6 مہینے سے دیکھا جارہا ہے کہ تھانوں سے اردو مترجم غائب ہیں وہیں چند تھانوں میں اردو مترجم ابھی بھی تعینات ہیں لیکن زیادہ تر تھانوں سے اردو مترجم پولیس ہیڈ آفس بلالیے گئے ہیں۔ بہوجن مکتی پارٹی کے ضلع انچارج بے سنگھ سیتھوار نے کہا کہ اردو مترجموں کو تھانوں سے ہٹایا جانا حکومت کی منشا کے برعکس ہے۔ سماجوادی پارٹی کے سینئر لیڈر منصور عالم نے کہا ہے کہ ملائم سنگھ کی سابقہ حکومت نے تھانوں پر اردو سے متعلق کاغذات کو نمٹانے اور اردو میں تحریر دینے والوں کی سہولت کے لیے اردو مترجم کی تعیناتی کی تھی اور اگر یہ اردو مترجم ہٹائے گئے ہیں تو یہ حکومت کی منشا کے خلاف ہے۔

واضح ہو کہ یہاں پولیس کپتان رہے سرگیندر سنگھ نے گزشتہ 6 مہینے قبل تھانوں پر تعینات اردو مترجموں کو پولیس ہیڈ آفس میں بلالیا تھا تبھی سے یہ تھانے اردو مترجم سے خالی ہیں۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

سرکاری دفتروں میں

اردو میں

نیم پلیٹ لگانے کے احکام

باغپت، اتر پردیش (۲۲ر ستمبر)۔ صوبائی حکومت نے ضلع پولیس انتظامیہ اور تمام سرکاری اداروں کے نام اور افسروں کے نام کی تختی اردو زبان میں لگانے کے احکام جاری کیے ہیں۔ اس سے پہلے جولائی ۲۰۱۳ میں کو بھی صوبائی حکومت نے یہ احکام جاری کیے تھے جن پر عمل نہیں ہوا۔ ذرائع کے مطابق سرکاری دفاتر پر اردو میں جو نیم پلیٹ لگائی جاتی ہے ان میں املا کی غلطیوں کے ساتھ جان بوجھ کر یا انجانے میں ناموں کو غلط اور بگاڑ کر لکھا جاتا ہے۔ اردو داں طبقے نے کئی بار اس پر احتجاج کیا مگر کسی نے سنوائی نہیں کی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سرکار کے نئے احکام پر کس طرح عمل ہوتا ہے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

ملک کی پہلی اردو قانونی لغت کا اجرا

ممبئی (۱۵ر ستمبر)۔ ملک میں اپنی نوعیت کی پہلی اردو قانونی ڈکشنری 'قانون لغت' کی آج رسم اجرا انجام دی گئی۔ اس لغت میں تقریباً 52 ہزار قانونی الفاظ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ سپریم کورٹ کے ایڈوکیٹ اور مترجم محمد ارشاد حنیف نے بتایا کہ یہ اپنی نوعیت کی پہلی قانونی لغت ہے۔ اس کا پیش لفظ سابق چیف جسٹس التمش کبیر نے لکھا ہے۔ جسٹس مارکنڈے کاٹجو نے بھی قوانین کے ترجمے کے بارے میں پیش لفظ تحریر کیا ہے۔ سرکردہ وکیل مجید میمن نے کہا کہ یہ لغت قانونی پیشے سے وابستہ افراد کے لیے معاون و مددگار ثابت ہوگی۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

گرلز کالج میں اردو ٹیچر بحال کرنے کا مطالبہ

پٹنہ (۱۹ر ستمبر)۔ راجکیہ مہیلا کالج گلزار باغ میں ایک برس سے اردو ٹیچر کے نہ ہونے کی وجہ سے طالبات نے احتجاج کیا اور جلد سے جلد اردو ٹیچر بحال کرنے کا مطالبہ کیا۔ طالبات کے مطالبے پر پرنسپل نے متبادل انتظام کرنے کی یقین دہانی کرا کر طالبات کو پرسکون کرایا۔ شاہین، غزالہ پروین، رفعت بانو سمیت دیگر طالبات نے بتایا کہ اکتوبر ۲۰۱۲ میں ایک اردو لیکچرر کے سبکدوش ہونے کے بعد ہی سے عہدے خالی ہیں اور آج تک کسی استاد کو محکمے نے بحال نہیں کیا۔ ایسے میں انٹرمیڈیٹ اور اردو سے گریجویشن کررہیں طالبات کی پڑھائی ٹھپ ہو رہی ہے۔ دوسری طرف والدین کا کہنا ہے کہ مسلم اکثریت والے علاقے میں یہ کالج ہونے کی وجہ سے یہاں انٹر اور گریجویشن میں اردو پڑھنے والی طالبات کی تعداد سیکڑوں میں ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگر جلد ہی محکمے نے اردو ٹیچر کا انتظام نہیں کیا تو مجبوراً سڑک پر اتر کر ہم تحریک چلائیں گے۔

(انقلاب۔ دہلی)

اردو اخبارات کے مسائل کے حل کی یقین دہانی

نئی دہلی (۱۹ر ستمبر)۔ وزیر اعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ نے یقین دہانی کرائی ہے کہ حکومت اردو اخبارات کے مسائل کو حل کرنے کی ترجیحی طور پر کوشش کرے گی۔ آج یہاں اپنی رہائش گاہ پر اردو اڈیٹرس کے ایک وفد کے ساتھ ملاقات میں انھوں نے کہا کہ اردو زبان ہندستان کی گنگا جمنی تہذیب کی سب سے بڑی علامت ہے اور حکومت کی پالیسی دیگر زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو کو فروغ دینے کی ہے۔ یہ وفد 'جدید مرکز' کے اڈیٹر حسام صدیقی کی قیادت میں ملا تھا جس میں شامل مدیران میں 'رہنمائے دکن' حیدرآباد کے اڈیٹر سید وقار الدین، 'اخبار مشرق' نئی دہلی کے اڈیٹر محمد وسیم الحق، 'جدید خبر' کے اڈیٹر معصوم مرادآبادی اور روزنامہ 'ہندستان ایکسپریس' کے اڈیٹر سرفراز آرزو شامل تھے۔ (آگ۔ لکھنؤ)

'ڈیجیٹل عہد میں ذرائع معلومات کا نظم' کے موضوع پر قومی کانفرنس

نئی دہلی (۲۳ر ستمبر)۔ سینٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن، شعبہ آیوش، وزارت صحت و خاندانی بہبود، حکومت ہند اور سوسائٹی فار انفارمیشن ریسرچ اینڈ اسٹڈیز، نئی دہلی نے مشترکہ طور پر 'ڈیجیٹل عہد میں ذرائع معلومات کا نظم' کے موضوع پر ایک قومی کانفرنس کا انعقاد کیا۔ یہ کانفرنس ۲۱ر ستمبر ۲۰۱۳ کو سی سی آر یو ایم کے ہیڈ کوارٹر واقع جنک پوری، نئی دہلی کے آیوش آڈیٹوریم میں منعقد ہوئی۔ کانفرنس کا افتتاح مہمان خصوصی پروفیسر رئیس الرحمٰن ایڈوائزر (یونانی) حکومت ہند، شعبہ آیوش، وزارت صحت و خاندانی بہبود نے کیا۔ انھوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ وہ وقت گیا جب ایٹمی ہتھیار زیادہ طاقتور سمجھے جاتے تھے۔ آج کے دور میں معلومات ہی سب سے طاقت ور ہتھیار ہیں۔ اس لیے معلومات کا بہتر نظم بہت اہم ہے اور اس کے لیے ہمیں ہر دستیاب ٹکنالوجی سے مدد لینی چاہیے۔

پروفیسر سید شاکر جمیل نے اپنے صدارتی کلمات میں طب یونانی کے مخطوطات کے ڈیجیٹلائزیشن کی ضرورت پر زور دیا۔ انھوں نے کہا کہ طب یونانی کی معلومات ملک کی مختلف لائبریریوں میں قلمی نسخوں کی شکل میں محفوظ ہیں۔ ہمیں ان قلمی معلومات کو محفوظ اور عام کرنے کی ضرورت ہے اور یہ کام صرف ڈیجیٹلائزیشن کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

ڈاکٹر اے ایم صدیقی نے کہا کہ لائبریری اور انفارمیشن سائنس کی دنیا میں ڈیجیٹلائزیشن کی ایک خاص اہمیت ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں لائبریریوں کے ڈیجیٹلائزیشن کا کام ہو چکا ہے۔ یہ خوش آئند بات ہے کہ ترقی پذیر ممالک بھی اس سمت میں کام کررہے ہیں۔

اس سے قبل محمد اکبر خاں (اسسٹنٹ لائبریری اینڈ انفارمیشن آفیسر، سی سی آر یو ایم) نے خطبہ استقبالیہ پیش کرتے ہوئے تمام شرکا اور مندوبین کا خیر مقدم کیا۔

اس موقع پر مہمان خصوصی اور صدر کانفرنس کے ہاتھوں عدد چیدہ مقالات پر مشتمل کانفرنس پروسیڈنگس کا اجرا کیا گیا۔

اس کانفرنس کے انعقاد میں سی سی آر یو ایم کے اعلا افسران ڈاکٹر عبدالحنان، ڈاکٹر خالد محمود صدیقی، ڈاکٹر محمد فاضل خاں، ڈاکٹر سید احمد خاں اور لائبریری اینڈ انفارمیشن سینٹر کے کارکنان سید شعیب احمد، مسعود الظفر خاں اور محترمہ لیلا وتی وغیرہ نے اہم خدمات انجام دیں۔

(ڈاکٹر سید احمد خاں)

سول سروسز امتحانات میں فارسی اور عربی کو شامل کرنے کا مطالبہ

علی گڑھ (12 ستمبر)۔ تعلیم سے وابستہ متعدد شخصیات نے سول سروسز کے امتحانات سے عربی اور فارسی کو برخاست کرنے پر حکومت پر تنقید کی۔ یہاں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بھارتیہ فارسی فلکنگ سنگھ کے اجلاس میں پرانے طریقہ کار کو بحال کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے تنظیم کے صدر پروفیسر اے عقوی نے کہا کہ دونوں زبانیں مالا مال تہذیب و تاریخ کا حصہ ہیں۔ کئی طلبہ سول سروسز امتحانات میں ایک مضمون کے طور پر عربی اور فارسی زبانوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ دانش وروں نے پبلک سروس کمیشن سے مطالبہ کیا کہ وہ دونوں زبانوں کو سول سروسز امتحانات میں شامل کرے۔

(اعتماد۔ حیدرآباد)

گرامی نامے

ادارے کا مراسلہ نگاروں سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے

قومی اردو کونسل کا نیا جنم

مکرمی! انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی سے شائع ہونے والا ہفت روزہ اخبار 'ہماری زبان' کا ۲۲ تا ۲۸ ستمبر ۲۰۱۳ کا شمارہ زیر مطالعہ ہے۔ اس میں انجمن کے جنرل سکریٹری اور اخبار کے مدیر جناب اطہر فاروقی کا اداریہ جو کہ صفحۂ اول پر شائع ہوا ہے، قابل مطالعہ ہے۔ اطہر فاروقی اردو زبان اور اس کے مسائل سے کما حقہ واقف ہیں اور اس سلسلے میں ان کے مضامین نظر سے گزرتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے اس مسئلے پر ایک کتاب بھی شائع کی ہے۔ ان کا یہ کہنا بجا معلوم ہوتا ہے کہ قومی اردو کونسل کا نیا جنم ہوا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خواجہ اکرام الدین نے جو کہ اس وقت کونسل کے ڈائرکٹر ہیں، کافی محنت کر رہے ہیں۔ اطہر فاروقی نے گزشتہ دنوں کونسل کے زیر اہتمام نئی دہلی میں منعقد ہونے والی عالمی اردو کانفرنس کے تعلق سے جو باتیں کہی ہیں وہ کہنے کے قابل ہیں۔ ان کی یہ بات درست ہے کہ "مذکورہ کانفرنس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ پہلی مرتبہ کسی سرکاری ادارے کے ذریعے منعقد کانفرنس میں اس امر پر استصواب رائے ہوا کہ جب تک اسکول کے نظام میں اردو کی تعلیم کا احیا نہیں ہوگا، اردو کی صورت حال میں زمینی سطح پر کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے"۔ مذکورہ کانفرنس میں ملک کے معروف ادیب، افسانہ نگار اور ناول نگار جناب سید محمد اشرف کا کلیدی خطبہ انھی خطوط پر تحریر کیا گیا ہے جن کا اشارہ اطہر فاروقی نے اپنے اداریے میں کیا ہے۔ یہ خطبہ واقعی کلیدی ہے اور اردو کے مسائل کو جس طرح معروضی اور غیر جذباتی انداز میں اٹھایا گیا ہے وہ توجہ طلب ہے۔ میں ان کی اس بات کی تائید کرتا ہوں کہ "تقسیم ہند کے بعد نہرو جیسے قد آور لیڈروں کے لیے صوبائی سطح پر اسکولی نظام سے اردو کا اخراج روکنا ممکن نہیں ہو سکا۔ دراصل اسکول کے نظام سے اردو کا اخراج ہی اردو کے زوال کا اصل سبب بن گیا۔ جب تک اسکول کے نظام میں اردو کا احیا نہیں ہوتا قومی زندگی میں اردو کا احیا ممکن ہی نہیں ہے"۔ سید محمد اشرف نے اپنے تفصیلی خطبے میں اور بھی بہت سی باتیں کہی ہیں لیکن اس وقت میری دلچسپی مذکورہ جملے میں زیادہ ہے کیوں کہ یہی بات کلیدی خطبے کی کلید ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسکولوں کے نظام سے اردو زبان کو ایسے بے دخل کر دیا گیا ہے جیسے کہ کوئی دراندازی کسی کے گھر میں گھس جائے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر کر دیا جائے اور اگر وہ آسانی سے نہیں نکلتا ہے تو بہ زور طاقت اسے گھر سے نکال دیا جائے۔ جہاں اردو کو آسانی سے نکالنا ممکن تھا وہاں سے اسے آسانی سے نکال دیا گیا اور جہاں سے وہ آسانی سے نہیں نکل رہی ہے (یعنی لوگوں کے دلوں سے) وہاں سے اسے زبردستی نکالنے کی ترکیبیں کی جا رہی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اردو کو جب تک پرائمری اور سیکنڈری سطح پر نصاب میں داخل نہیں کیا جائے گا، اس کا احیا ممکن نہیں۔ احیا تو دور کی بات ہے اس کا تحفظ بھی ممکن نہیں ہے۔ اس وقت اردو ایک زوال آمادہ زبان بن کر رہ گئی ہے۔ اس کے زوال کو روکنا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ لیکن اردو کے زوال کو مشاعروں اور سیمیناروں کے انعقاد اور قوالیوں کی محافل آراستہ کر کے نہیں روکا جا سکتا۔ ارباب اقتدار و اختیار کی جانب سے بار بار یہ کہنا کہ اردو بڑی میٹھی زبان ہے، محبت کی زبان ہے، دلوں کو جوڑنے کی زبان ہے، گنگا جمنی تہذیب کی زبان ہے دراصل اردو والوں کو تھپک تھپک کر سلانے کے مترادف ہے۔ یہ ایسا میٹھا زہر ہے جو اہل اردو کو مدہوش کیے دیتا ہے اور پھر انھیں اس کا ہوش نہیں رہتا کہ ان کی زبان کے ساتھ کیسا سفاکانہ رویہ اختیار کیا جا رہا ہے۔ بہر حال میں جناب سید محمد اشرف کو ایسا جاندار، جرأت مندانہ اور بے باکانہ خطبہ تحریر کرنے پر اور جناب اطہر فاروقی کو اسے شائع کرنے پر دل کی گہرائیوں سے مبارک باد دیتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی 'ہماری زبان' کے معیار میں بہتری کے لیے بھی اطہر فاروقی صاحب کو خصوصی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اگر چہ ابھی انھیں اس کے معیار کو مزید بلند کرنا ہے، اسے اور باوقار بنانا ہے، مگر مجھے امید ہے کہ اطہر فاروقی اپنی ادارتی ٹیم کے تعاون سے یہ کام بہ آسانی انجام دے لیں گے۔

سہیل انجم (370/6A، ذاکر نگر، نئی دہلی)

سول سروسز کے امتحان سے عربی وفارسی کے اخراج پر تشویش

نئی دہلی (۱۸/ستمبر)۔ جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے اسکول آف لنگویجز اینڈ کلچر اسٹڈیز کے سینٹر آف عربک اینڈ افریقن اسٹڈیز میں آج اساتذہ اور طلبہ کی ایک مشترکہ میٹنگ منعقد کی گئی جس میں سول سروسز کے امتحانات سے عربی و فارسی زبانوں کو نکالے جانے پر ناراضگی کا اظہار کیا گیا اور مرکزی حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ ان دونوں زبانوں کو UPSC کے امتحانات میں پھر سے شامل کیا جائے اور ان زبانوں کو ان کا جائز مقام دیا جائے۔ عربی و فارسی زبان کو غیر ملکی زبان ہونے کا جواز پیش کر کے انھیں UPSC امتحانات سے خارج کرنے پر میٹنگ میں شریک اساتذہ و طلبہ نے افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ ان دونوں زبانوں کا ہندستان سے بہت قدیم رشتہ رہا ہے اس لیے ان کا موازنہ دوسری غیر ملکی زبانوں سے نہیں کیا جا سکتا۔ میٹنگ میں بتایا گیا کہ طویل عرصے سے عربی زبان و ادب ہندستان کے ہزاروں مدارس اور کم سے کم 28 یونیورسٹیوں و کالجوں میں اور فارسی زبان ملک بھر کی تقریباً 20 یونیورسٹیوں و کالجوں میں پڑھی اور پڑھائی جا رہی ہے۔ عربی و فارسی زبان کی تاریخی و ثقافتی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے ملک میں کئی یونیورسٹیاں قائم کی گئی ہیں جن میں بہار کی راجدھانی پٹنہ شہر میں مولانا مظہر الحق عربی و فارسی یونیورسٹی، اترپردیش کے رام پور میں مولانا محمد علی جوہر عربی و فارسی یونیورسٹی، لکھنؤ میں خواجہ غریب نواز عربی و فارسی یونیورسٹی شامل ہیں۔ میٹنگ میں اساتذہ و طلبہ نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ ایک طرف تو حکومت مدارس کے طلبہ کو مین اسٹریم میں لانے اور انھیں قومی دھارا سے جوڑنے کی بات کر رہی ہے تو دوسری طرف اس طرح کے فیصلے کر کے ان کی ترقی کے راستے روکنے کے اقدام کر رہی ہے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

بی اے، ایم اے اردو میں داخلے پر روک

یو جی سی کا متھلا یونیورسٹی کے تحت فاصلاتی نظام تعلیم ڈائرکٹوریٹ کو حکم

دربھنگہ (۲۰/ستمبر)۔ یو جی سی نے للت نارائن متھلا یونیورسٹی کے فاصلاتی نظام کے بی اے اور ایم اے اردو اور ہوم سائنس میں داخلے پر رواں سیشن میں روک لگا دی ہے، جس کی وجہ سے اردو پڑھنے والے طلبہ و طالبات میں بے چینی پائی جاتی ہے۔ اس بارے میں فاصلاتی تعلیم کے ڈائرکٹر سنیل چندر مشرا نے بتایا کہ اردو اور ہوم سائنس میں کورس میٹریل کی دستیابی نہ ہونے کے سبب یو جی سی نے داخلے پر روک لگانے کا تحریری حکم جاری کر دیا ہے جس کے سبب ۳۰/اگست ۲۰۱۳ کے بعد سے داخلہ روک دیا گیا ہے۔ یو جی سی کے تحریری حکم نامے سے قبل دونوں مضامین میں داخلے لیے گئے تھے۔ یو جی سی نے 100 دنوں کا وقت دیا ہے کہ ہر حال میں اردو اساتذہ کو تلاش کر کے بی اے اور ایم اے اردو اور ہوم سائنس کا کورس میٹریل تیار کرا لیں اور اس کی اطلاع یو جی سی کو دے دی جائے، اس کے بعد ممکن ہے کہ دوبارہ داخلے کا عمل جاری ہو جائے۔

اسی طرح کی پریشانی ہوم سائنس کے لیے بھی ہے۔ دریں اثنا ڈاکٹر محمد بدرالدین، مولانا متین احمد قاسمی، جنید عالم، ڈاکٹر امتیاز عالم اور محمد توحید کے علاوہ مینٹر ایڈوکیٹ کل وغیرہ نے متھلا یونیورسٹی کے وائس چانسلر سے مطالبہ کیا ہے کہ فاصلاتی نظام تعلیم کے تحت بی اے اور ایم اے اردو میں طلبہ کے داخلے کو جلد از جلد یقینی بنانے کے لیے مثبت قدم اٹھایا جائے۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

اُتری دیناجپور کا ضلع محکمۂ تعلیم

چھٹی جماعت کے اردو طالب علموں کو کتابیں فراہم نہ کرسکا

گوال پوکھر، مغربی بنگال (۱۱/ستمبر)۔ گوال پوکھر ایک اور دو نمبر بلاک کے متعدد اسکولوں کے چھٹی جماعت کے اردو طلبہ کو دیناج پور ضلع کا محکمۂ تعلیم نصابی کتابیں اب تک فراہم نہیں کر سکا ہے، جب کہ دسمبر میں فائنل امتحان اور موجودہ تعلیمی سال ختم ہونے والا ہے۔ ستمبر ماہ تک محکمۂ تعلیم کی طرف سے مذکورہ جماعت کے طالب علموں کو نصابی کتابیں دستیاب نہ کرانا مذکورہ محکمۂ تعلیم کی کوتاہی کا غماز ہے۔ متعلقہ اساتذہ سے جب رابطہ کیا گیا تو اساتذہ نے بھی اس خبر کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ بچوں کو چھٹی جماعت کے لیے کتابیں محکمۂ تعلیم کی طرف سے نہیں ملی ہیں جس سے ان کی تعلیم متاثر ہو رہی ہے۔ اساتذہ نے مزید کہا کہ کتابوں کی عدم دستیابی کی وجہ سے سرپرستوں میں اردو کے تئیں بیزاری بڑھ رہی ہے اور ان کا کہنا ہے کہ نوکر شاہی کا منشا ہی ہے کہ اردو کتابوں کو ایک مدت تک طالب علموں تک نہ پہنچایا جائے تاکہ سرپرست جھلاہٹ میں اردو سے بیزار ہو جائیں۔

(آبشار، کلکتہ)

ہم شکر گزار ہیں

پروفیسر شمس الحق عثمانی (سابق صدر شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ) نے انجمن ترقی اردو (ہند) کی شبلی میموریل لائبریری کو اپنے ذاتی کتب خانے سے 255 کتب و رسائل بطور عطیہ دی ہیں۔ ان میں مختلف موضوعات پر نادر و نایاب کتب اور رسائل و جرائد شامل ہیں۔ اس عنایت کے لیے ہم پروفیسر شمس الحق عثمانی کے شکر گزار ہیں۔

شاہد خاں
لائبریرین انجمن ترقی اردو (ہند)

اردو میڈیم اسکولوں میں تلگو مضمون کی تعلیم شدید متاثر

آرمور، آندھرا پردیش (۱۹/ستمبر)۔ ضلع کے اردو میڈیم اپر پرائمری و ہائی اسکولوں میں گزشتہ سال تلگو مضمون کی تعلیم کے لیے ودیا والینٹرز کا تقرر عمل میں لایا گیا تھا۔ اس سال حکومت کی جانب سے ودیا والینٹرز کی برخاستگی سے تلگو مضمون کی تعلیم متاثر ہوئی ہے، چوں کہ تعلیمی سال کا آغاز ہوئے تین ماہ کا عرصہ گزر گیا اور سہ ماہی امتحانات عنقریب ہونے کو ہیں لیکن حکومت کی لاپروائی ابھی بھی برقرار ہے۔ ضلع نظام آباد میں ایسے کئی اردو میڈیم مدارس ہیں جہاں پر تلگو پڑھانے کے لیے کوئی مستقل پوسٹ نہیں ہے اور نہ حکومت اس تعلق سے توجہ دے رہی ہے۔ طلبہ کے سرپرستوں کا مطالبہ ہے کہ ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر اور ضلع کلکٹر اس طرف توجہ دیتے ہوئے اردو مدارس میں تلگو پڑھانے کے لیے اساتذہ کا تقرر کریں۔

(سیاست، حیدرآباد)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : غالب اور عہدِ غالب
مرتبین : صدیق الرحمن قدوائی
شاہد ماہلی، رضا حیدر
ضخامت : ۱۱۸ صفحات
قیمت : ۲۰۰۰ روپے
ملنے کا پتہ : غالب انسٹی ٹیوٹ
ماتا سندری لین، نئی دہلی
تبصرہ نگار : ڈاکٹر خلیق انجم

پچھلی صدی عیسوی میں غالب کی شخصیت اور فن پر بڑی تعداد میں تحقیقی اور تنقیدی کتابیں شائع ہوئی ہیں، لیکن غالب انسٹی ٹیوٹ واحد ایسا ادارہ ہے جس نے غالب کی شخصیت کے الگ الگ تمام پہلوؤں پر مواد فراہم کیا ہے۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کی شاندار عمارت ماتا سندری روڈ نئی دہلی میں موجود ہے۔ اس عمارت میں ایک بہت بڑا ہال ہے، جس میں تقریباً پانچ سو لوگ آ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ غالب پر ایک ایسا میوزیم ہے جس کی ہندستان اور پاکستان میں کوئی مثال نہیں۔ غالب انسٹی ٹیوٹ ہر سال بڑے پیمانے پر ایک بین الاقوامی سیمینار منعقد کرتا ہے۔ اس کے علاوہ چھوٹے بڑے کئی سیمیناروں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ غالب انسٹی ٹیوٹ میں ایک بہت بڑی لائبریری ہے جس میں غالب سے متعلق بیشتر کتابیں موجود ہیں۔ غالب انسٹی ٹیوٹ ہر سال غالب کی شخصیت اور فن پر بڑی تعداد میں کتابیں شائع کرتا ہے۔ اس ادارے سے پابندی سے ایک ششماہی رسالہ 'غالب نامہ' کے نام سے شائع ہوتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ ہندستان و پاکستان میں غالب انسٹی ٹیوٹ غالب کی شخصیت سے متعلق ایک اہم ادارہ ہے۔

غالب انسٹی ٹیوٹ کوشش کرتا ہے کہ ہر سال نئے موضوعات پر کتابیں شائع کرے۔ حال ہی میں غالب انسٹی ٹیوٹ نے 'غالب اور عہدِ غالب' کے نام سے ایک بہت خوب صورت البم شائع کیا ہے۔ اس البم میں تصویریں یکجا کر کے انھیں بہت سلیقے سے مرتب کیا گیا ہے۔

۱۸۵۷ء کے بعد ہندستان میں فوٹوگرافی کا رواج عام ہو گیا۔ اس دور کی تصویروں میں غالب کے علاوہ بعض اہم پہلوؤں کو کیمرے میں محفوظ کیا گیا۔ غالب انسٹی ٹیوٹ نے عہدِ غالب کے اہم پہلوؤں کی تصویریں جمع کر کے اس عہد کی اہم تاریخ کو محفوظ کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس البم میں غالب کی اس شبیہ کا عکس بھی شامل ہے، جو لال قلعے میں محفوظ ہے۔ غالب کے اہم معاصروں میں شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ، مومن خاں مومنؔ، امام بخش صہبائی، نواب مصطفےٰ خاں شیفتہؔ، مفتی صدرالدین خاں آزردہؔ، خواجہ الطاف حسین حالیؔ اور غالب کے شاگردوں میں میر مہدی مجروحؔ، رام پور کے نواب یوسف علی خاں، منشی امیر احمد مینائیؔ، میر ببر علی انیسؔ، مرزا سلامت علی دبیرؔ، اودھ کے حکمراں نصیرالدین حیدر، خواجہ حیدر علی آتشؔ، شیخ امام بخش ناسخؔ، مرزا ہرگوپال تفتہؔ، منشی شیونرائن آرام، مولانا محمد اسماعیل میرٹھی، نواب علاءالدین احمد خاں علائی، مرزا قربان، مولوی محمد ذکاء اللہ، نواب مرزا خاں داغؔ، بہادر شاہ ظفرؔ اور بیگم زینت محل کی بھی تصویریں ہیں۔

انیسویں صدی میں مہریں بنانے کا بہت رواج تھا۔ قانونی اور غیر قانونی دستاویزوں پر یہ مہریں لگائی جاتی تھیں۔ غالب نے اپنی زندگی میں کم سے کم آٹھ مہریں بنوائی تھیں، اگر ان کے علاوہ اور بھی مہریں ہوں تو وہ دستیاب نہیں۔ غالب کی جو پانچ مہریں دستیاب ہوئی ہیں، ان کے عکس 'غالب اور عہدِ غالب' میں شائع کیے گئے ہیں۔ زیرِ نظر البم میں بہت سی اہم تصویریں شامل کی گئی ہیں۔ یہ تصویریں اصلی بھی ہیں اور خیالی بھی۔ اس البم کے مرتبین نے اس میں ملک کے مختلف شہروں مثلاً آگرہ، لکھنؤ، بنارس، پٹنہ، الٰہ آباد، کلکتہ، دلی، حیدرآباد وغیرہ کی ان تصویروں کے بھی عکس شائع کیے ہیں، جن سے غالب کا تعلق رہا ہے۔

غالب کی زندگی کا اہم واقعہ ۱۸۵۷ء کا غدر ہے، جس میں مختلف شہروں میں ہزاروں لوگ قتل کیے گئے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں بہادر شاہ ظفر اور ان کے کچھ متعلقین ہمایوں کے مقبرے میں چھپ گئے تھے۔ ایک انگریز افسر ہڈسن کو اس کی اطلاع مل گئی۔ اس نے ظفر اور تیموری شہزادوں کو گرفتار کر لیا۔ البم میں ۱۸۵۷ء کے ہنگامے سے متعلق بعض اہم تصویریں اور ہندستانیوں اور انگریزوں کی لڑائی کے بعض منظر بھی دیے گئے ہیں۔ البم کے آخر میں بہادر شاہ ظفر کی وہ تصویر بھی شامل ہے جس میں وہ کس مپرسی کے عالم میں ایک معمولی چارپائی پر دراز ہیں۔ سب سے آخر میں بستی حضرت نظام الدین میں موجود مزارِ غالب کی وہ تصویر ہے، جہاں غالب کی تدفین عمل میں آئی۔ اس البم میں آخری تصویر اسی مقبرے کی ہے۔

غرض یہ ہے کہ 'غالب اور عہدِ غالب' سے متعلق اور متعلقین غالب کی اب تک جو چند تصویریں شائع ہوئی ہیں، اس البم میں وہ سب شامل کر لی گئی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ البم غالب کی شخصیت و سوانح سے متعلق غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی اشاعت کے لیے غالب انسٹی ٹیوٹ بجا طور پر مبارک باد کا مستحق ہے۔

●●●

نام کتاب : عبدالقوی دسنوی
حیات اور خدمات
مرتبین : محمد نعمان خاں، کوثر صدیقی
اور آفاق حسین صدیقی
اشاعت : ۲۰۱۳ء
ضخامت : 584 صفحات
قیمت : ۳۳۲ روپے
ناشر : عرشیہ پبلی کیشنز
دلشاد کالونی، دہلی
تبصرہ نگار : پروفیسر محمد فاروق انصاری

پروفیسر عبدالقوی دسنوی کا شمار ان مایۂ ناز شخصیتوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اردو کی خدمت کو اپنا نصب العین سمجھا بھی اور نصب العین بنایا بھی۔ عبدالقوی صاحب ایک مثالی استاد بھی تھے اور صاحبِ طرز ادیب بھی۔ اچھے نقاد بھی تھے اور معتبر محقق بھی۔ ان کی علمی اور ادبی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ غالبیات، اقبالیات، ابوالکلامیات، اردویات، سلیمانیات اور بھوپال شہر سے متعلق ان کی کئی درجن تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ مہدی حسن افادی، پریم چند، سلامت علی دبیر، حسرت موہانی، سید سلیمان ندوی اور مولانا حالی جیسی مشہور و معروف شخصیات کی ادبی خدمات سے متعلق بھی انھوں نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اتنا ہی کافی نہیں بلکہ ہندستان اور پاکستان کے متعدد ادبی جریدوں میں آپ کے تین سو سے زیادہ مضامین بکھرے ہوئے ہیں جو مختلف موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ کم و بیش سات دہائی پر مشتمل عبدالقوی دسنوی صاحب کی علمی و ادبی زندگی کے کارناموں کا جائزہ و تجزیہ طور پر مسلسل مطالعے کا متقاضی رہا ہے۔

زیرِ نظر کتاب 'عبدالقوی دسنوی: حیات اور خدمات' ان کی شخصیت کے متنوع پہلوؤں اور ان کی زبان اور علم و ادب کے باب میں گوناگوں غیر معمولی خدمات کا احاطہ کرتی ہے۔ کتاب کا بیشتر حصہ ان مقالات پر مشتمل ہے جو یکم اور ۲ اپریل 2012 کو بھوپال میں منعقد دو روزہ سیمینار میں پڑھے گئے تھے جیسا کہ کتاب کے ابتدائی صفحات پر مرتبین نے اعتراف بھی کیا ہے:

"پروفیسر عبدالقوی دسنوی کی وفات کے بعد ایک قومی سطح کے سیمینار کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا اور ہندستان کے معتبر صاحبِ علم و نظر اصحاب کو قوی صاحب کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں اور علمی و ادبی خدمات کا گہرائی کے ساتھ جائزہ لینے کے لیے مدعو کیا گیا... اس سیمینار میں پڑھے گئے تمام مقالات اور تخلیقات زیرِ نظر کتاب میں شامل ہیں اور دسنوی صاحب سے متعلق بعض اہم مطبوعہ مضامین و مقالات نیز منظومات و تاثرات اور اخبارات و رسائل کے خصوصی اداریے اور تعزیتی جلسوں کی روداد بھی شامل کر دی گئی ہیں۔"

(عبدالقوی دسنوی: حیات اور خدمات، دہلی 2013، صفحہ 10 اور 11)

پانچ سو چوراسی صفحات پر مشتمل زیرِ تبصرہ کتاب کے مشمولات کو مختلف ذیلی عنوانات کے تحت ترتیب دیا گیا ہے۔ شروع میں 'حیات نامہ' عنوان کے تحت قوی صاحب کا خاندانی شجرہ اور اس کے فوراً بعد سوانحی حالات کا اشاریہ پیش کیا گیا ہے جو قوی صاحب سے متعلق تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے بے حد مفید ثابت ہوگا۔ 'عبدالقوی بحیثیت انسان، استاد اور عاشقِ اردو' عنوان کے تحت نزدیکی رشتہ داروں، دوستوں اور شاگردوں کے 34 مضامین شامل ہیں۔ تمام مضامین تاثراتی نوعیت کے ہیں اور قوی صاحب کی شخصیت، کردار اور سیرت و عمل کو پیش کرتے ہیں۔ مقالہ نگاروں میں گوپی چند نارنگ، علیم صبا نویدی، صدیق الرحمن قدوائی، صغرا مہدی، عبدالستار دلوی، حنیف کیفی، عتیق اللہ، مظفر حنفی، اختر الواسع اور مناظر عاشق ہرگانوی وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

'عبدالقوی دسنوی بحیثیت ماہرِ اقبال'، 'عبدالقوی دسنوی بحیثیت ماہرِ غالب' اور 'عبدالقوی دسنوی بحیثیت ماہرِ آزاد' عنوانات کے تحت دسنوی صاحب کی علامہ اقبال، مرزا غالب اور ابوالکلام آزاد سے متعلق تحقیقی اور تنقیدی کاوشات اور ان کی خدمات سے متعلق لکھے گئے مقالوں کو جمع کیا گیا ہے۔ اقبال سے متعلق دسنوی صاحب کے کاموں کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

"اقبال سے وابستگی نے دسنوی صاحب کی شخصیت میں ایک نکھار اور سوز و گداز پیدا کیا اور انھیں وہ روشن دماغی اور علمی بصیرت عطا کی کہ آج تک انھیں علمی، ادبی اور تعلیمی دنیا میں اعتبار سے ایک باوقار حیثیت حاصل ہے... اقبال کی پون صدی کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو اقبال کے مطلبوں، اقبال شناسوں، اقبال نقادوں اور اقبال کے طرف داروں کے بہت سے گروہ ملیں گے۔ اپنی اپنی جگہیں اپنے اپنے زاویہ ہائے نظر، مخصوص مفادات، ادبی و سیاسی تعصبات اور اپنی اپنی نوع بہ نوع ضروریات۔ ان سب کے درمیان بسا اوقات اصل اقبال گم ہوتا محسوس ہوگا۔ دسنوی صاحب کی اقبال شناسی کا قابلِ قدر پہلو یہ ہے کہ انھوں نے تعبیرِ اقبال میں ہمیشہ راست فکری سے کام لیا ہے۔ انھوں نے اقبالیات کو باطن کی صفائی، قلب کی پاکیزگی اور ذہن کی تعمیر و آرائش کا ذریعہ خیال کیا ہے۔"
(صفحہ 231 اور 233)

اسی ضمن میں غالبیات اور دسنوی صاحب کے تعلق سے بحث کرتے ہوئے پروفیسر حنیف نقوی کا یہ قول بھی قابلِ ذکر ہے:

"انھوں (عبدالقوی دسنوی) نے قیامِ بھوپال کے ابتدائی چودہ برسوں میں غالب سے متعلق جو کام کر دیا ہے وہ غالب شناسوں کی فہرست میں ان کے نام کی شمولیت کے لیے کافی ہے۔" (صفحہ 301)

شہرِ بھوپال کے حوالے سے قوی صاحب کی خدمات کے بارے میں لکھے گئے مضامین کو 'عبدالقوی دسنوی اور بھوپالیات' کے ذیلی عنوان کے تحت جمع کیا گیا ہے۔ 'عبدالقوی دسنوی بحیثیت محقق، نقاد، مدون اور اشاریہ ساز' کے تحت قوی صاحب کی تحقیقی و تنقیدی خدمات کو موضوع بنا کر لکھے گئے مقالوں کو شامل کیا گیا ہے۔ مقالہ نگاروں میں پروفیسر سید حامد حسین، عتیق اللہ، انیس سلطان، مشتاق صدف وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ 'منظومات' کے زمرے میں سلام مچھلی شہری، جگن ناتھ آزاد، رہبر جونپوری، ظفر صہبائی، کوثر صدیقی، نسیم انصاری وغیرہ کے منظوم کلام کو جمع کیا گیا ہے جو قوی صاحب کے علم و کمال کا اعتراف بھی ہے اور نذرانۂ عقیدت بھی۔ آخر میں قوی صاحب کے انتقال پر اہم اداروں میں منعقد ہونے والے تعزیتی جلسوں کی روداد، اہم ادبی جریدوں میں شائع خصوصی اداریے اور قومی سیمینار کی رپورٹ کو پیش کیا گیا ہے۔

بلاشبہ یہ کتاب عبدالقوی دسنوی کی علمی، ادبی اور تنقیدی بصیرت کو سمجھنے میں ایک بنیادی ماخذ کا درجہ رکھتی ہے۔ کتاب کو قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، نئی دہلی کے مالی تعاون سے شائع کیا گیا ہے۔ کتابت اور طباعت بہت عمدہ ہے۔ ضخامت اور عمدہ پیش کش کے مدِنظر کتاب کی قیمت بہت کم ہے۔ امید ہے کہ اس کتاب کو ادبی حلقوں میں پسند کیا جائے گا۔

●●●

خصوصی رعایت پر کتابوں کی فراہمی

70%

کرب احساس	نظمی سکندرآبادی	۲۰/=
کرب انا	جاوید اکرم	۵۰/=
کشش	ذکاء الدین شایاں	۳۰/=
کنول بکھرے، بیکل گیت	بیکل اتساہی	۲۵/=
کیف صدرنگ	رئیس نیازی	۴۰/=
گل تر	روبینش کمار اوج	۳۰/=
گل خوردہ	شائستہ یوسف	۳۰/=
گناہ و حسن	کانتی موہن سوز	۵۰/=
گنج معانی	تلوک چند محروم	۱۵۰/=
گلہائے معصیاں	عاصی سہاگ پوری	۷۵/=
لا انتہا	مظہر مہدی	۱۰/=
لاحاصل	جمیل الدین عالی	۶۰/=
لاشریک	ف س اعجاز	۵۰/=
لمحہ لمحہ پیاس	کیلاش ماہر	۵۰/=
لمحے لمحے کا کرب	پرویز باغی	۲۰/=
لمس ہوا	کیلاش ماہر	۱۰/=
لہو کی آنچ	علی احمد جلیلی	۶۰/=
لیکن	محسن سرحدی	۲۵/=
مات ہوئے رنگ	تاجدار عادل	۸۰/=
مافی الضمیر	ضمیر کاظمی	۴۰/=
مثنوی آسمانی خطوط	محمد یعقوب عامر	۲۰/=
مرآۃ المعرفت	عارف سیمابی باگھوٹی	۴۰/=
مراکھی رنگ	بدیع الزماں خاور	۲۰/=
موتی اگے دھان کے کھیت	بیکل اتساہی	۱۲۵/=
موج موج تشنگی	عالم تاب تشنہ	۶۰/=
ناتمام	حکیم منظور	۱۵/=
نسیم حجاز	جگن ناتھ آزاد	۱۰۰/=
نقش فریادی	فیض احمد فیض	۱۵/=
نقش وفا	وفا صدیقی	۵۰/=
نقوش بہزاد	بہزاد فاطمی	۳۰/=
نوائے حرف	ارشد صدیقی	۱۰۰/=
نوائے راز	خلیل الرحمن راز	۶۰/=
نوشہ	عشرت ظفر	۲۰/=
نئی دنیا نیا آدم	شرر فتح پوری	۲۲/=
نیرنگ معانی	تلوک چند محروم	۸۰/=
ہندوستاں ہمارا (دوم)	جاں نثار اختر	۲۰/=
یہ خلش کہاں سے ہوئی	علی شیدا	۲۵۰/=

ناول، افسانے

آتش چنار	شام بارک پوری	۵۰/=
آخری سبق	کیدار ناتھ کول	۳۰/=
آشا دیپ	ست پرکاش سنگر	۶۰/=
ادھورے چہرے	شمیم صادق	۱۵/=
ایوڑن	طراج ورما	۲۵/=
بادل گرجیں جمنا پار	سدرشن شرما	۱۸/=
باغی (اول، دوم)	ایم اے راحت	۶۰/=
بدلیوں کی چیخ	طاہر نقوی	۳۰/=
اودی سوز	ظہیر الدین	۱۵/=
بندر کے بچے	جسیم سکن تیاگی	۳۰/=
پتھروں کے گیت	محمود پالیسری	۲۵/=
پرچھائیاں	وقار انجمی	۲۵/=
پس غبار	مختار شمیم	۶/=
پلک پلک کٹتی رات	گلبہار آفریں	۷۵/=
پلکوں سے پلکوں تک	نکہت افلاک	۱۰۰/=
پھر ترا وقت سفر یاد آیا	سید زاہد و بشارت شکوہ آبادی	۱۶/=
تلاش	تاج بہادر	۴۰/=
تین اور تیس ہزار	اسلم واحدی	۲۰/=
ٹوٹتے لمحوں کا کرب	جعفر عباس	۲۰/=
ٹھنڈا خون	اطہر مسعود خاں	۲۰/=
جگمگاتے اندھیرے	وسیم بانو قدوائی	۱۵/=
جلتے توے کی مسکراہٹ	انور ندیم	۳۰/=
جلسہ	شیخ سلیم احمد	۵۰/=
جنگل جنگل شہر	ہیرانند سوز	۱۲۵/=
خطرناک منصوبہ	[illegible] رمیش چندر شرما	۱۸/=
داستان مردان حر	آتش	۳۵/=
درد آہوں کا	ہارون ایوب	۱۸/=
دھنک کے سائے	عصمت عذرا	۳۰/=
دو سماجی ڈرامے	غلام معین الدین	۵۰/=
ڈوبتے منظر کا سفر	سلطان انجم	۴۰/=
رجنی گندھا	شام بارک پوری	۶۰/=
رنگ گل	حمیدہ سلطان	۲۵/=
رنگ و بو کی سرزمین	شام بارک پوری	۴۰/=
زرد پتے	جمیل زبیری	۴۰/=
سپنوں کی شام	برج پریمی	۱۰۰/=
کانچ جیسے سپنے	ہرچرن چاولہ	۱۲۰/=
سنگ زر	عزیز اللہ شیرانی	۳۰/=
سورج کا سائباں	اکرم فاروقی	۳۰/=
سوز دروں	سعادت نسرین	۲۵/=
شب رفتہ	وارث رشید قدوائی	۵۰/=
شہر بدنصیب	اقبال مجید	۱۰۰/=
شہر کا ایک دن	ستیہ پال آنند	۵۰/=
صبا آوارہ	نور پرکار	۲۰/=
تخمیر	عظمت رضا	۳۶/=
فرشتے خاموش ہیں	وید چندر بخاری	۱۲/=
کابوس	طراج ورما	۳۰/=
کاغذی ہے پیرہن	رشید موسوی	۲۰/=
کتھا	خالد اکا سکر	۸۰/=
کتھا نگر	جوگندر پال	۳۶/=
کوکن کے افسانے	انجم عباسی	۵۰/=
کھلاڑی	عظمت رضا	۲۲/=
کہانیاں	کیول دھیر	۵۰/=
گرم برف	دل لفگر	۵۰ =
گلوں میں رنگ بھرے	ست پرکاش سنگر	۱۰۰ =
گونگی توپ	قطب اللہ	۱۵/=
گونگی لڑکی	عادل رشید	۴۰/=
گہری پرچھائیاں	پی ایس بادل	۲۰/=
گمراہ	انیس مرزا	۲۲/=
لمحے بھر کا ہم سفر	محمود عالم	۵۰/=
لہو کا طوفان	احسان شوق	۵۰/=
لہو کی آنچ	تبسم بانو	۳۰/=
لیکن جزیرہ نہیں	تبسم فاطمہ	۵۰/=
مبلغہ	علی امام نقوی	۳۰/=
مدار	حیات اللہ انصاری	۴۰/=
موت کی دستک	[illegible] رمیش چندر شرما	۱۶/=
موتیوں کا ہار	پورن سنگھ ہنر	۱۵/=
موگھیا لوک کہانیاں	وقار صدیقی	۷۰/=
میرے حصے کا زہر	فیاض رفعت	۱۰۰/=
میں بوند بوند برستا ہوں	موہن لال	۲۰/=
نادیہ	جوگندر پال	۵۰/=
نیالوون	راشد سہوانی	۳۰/=
نیا شہر	انجم سندیلوی	۱۲/=
ہم دونوں	مسافر	۳۲/=
ہم سفر پیارے	دیا خانم	۱۸/=
ہیرے کا جگر	رفعت صدیقی	۸۰/=
فی زمانہ	یوسف ناظم	۴۰/=
پروین رائے اور دوسرے منظوم ڈرامے	رفعت سروش	۱۰۰/=
جاگ سحر آئی ہے	وارث احمد خاں	۳۰/=
چوتھا کانٹا	اسلم واحدی	۲۰/=
دوسرا کنارہ	غلام جیلانی	۲۵/=
شام کب ڈھلے گی	وارث احمد خاں	۳۰/=
فرعون	رشید انجم	۷۵/=
کارخانہ اور آسودہ زمانہ	محمد فضل الرحمن	۲۰/=
گرہیں	انور ندیم	۱۵/=
کیا گھر کیا خانقاہ	سکندر توفیق	۳۰/=

رابطہ کریں: **انجمن ترقی اردو (ہند)**
اردو گھر، 212- راؤز ایوینیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
فون نمبر 23237210, 23236299

بقیہ صفحہ ۸ سے آگے

یاد پڑتا ہے کہ کنھیا لال کپور نے اپنے کسی مضمون میں اردو پروفیسر کا ذکر کیا ہے اور اس کے لیے جو نمائندہ نام لیا ہے وہ آل احمد سرور کا ہے۔ کوئی تو بات ہے کہ ہم اردو پروفیسر کا ذکر کریں تو سب سے پہلے جو شخصیت ہمارے ذہن میں ابھرے وہ سرور صاحب ہی کی ہو۔ میری نظر میں اردو کے پروفیسروں کے دو طبقات ہیں، ایک کلاسیکی مشرقی انداز کے عالم پروفیسر جیسے مسعود حسن رضوی اور رشید احمد صدیقی۔ دوسرے وہ جدید پروفیسر جو موجودہ دور کے تقاضے پورا کرتا ہے اور دوسرے مضامین کے شرفا کی بزم میں بھی لب کشائی کر سکتا ہے۔ وہ جدید علوم اور مغربی ادبیات سے کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتا ہے۔ ایسے روشن دماغ پروفیسروں کے بہترین نمائندے سرور صاحب اور احتشام مرحوم ہیں۔ ان کے بعد بھی دو چار کام کے پروفیسر ہوئے ہیں۔ ورنہ بیشتر کی یہ حالت ہے:

ہیں جتنے آب کے ڈال مقدر کا خوار ہیں

اس جوڑی میں سے سرور صاحب بچے ہیں۔ ان کے ہوتے دوسرا نظر میں نہیں جچتا۔ کہنا پڑتا ہے:

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

اور دوسروں کی ناقدری نہ بھی کروں تو بھی یہ کہوں گا:

عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں؟

(باقی آئندہ)

پہلی قسط

سرورؔ صاحب میری نظر میں

ولادت: ۷؍ اکتوبر ۱۹۱۲ — وفات: ۹؍ فروری ۲۰۰۲

گیان چند جین

کچھ ایسے بزرگ ہیں جن کا نہ صرف میں گہرا احترام کرتا رہا ہوں بلکہ اردو کے معاملات میں ان کی رہبری بھی قبول کرتا ہوں۔ ان میں جناب مالک رام اور پنڈت آنند نرائن ملا کے ساتھ ساتھ اردو کے سب سے سینئر پروفیسر آل احمد سرور بھی شامل ہیں۔ میری بیعت کسی گروپ بندی کے تحت نہیں، یہ اس سے ظاہر ہے کہ یہ اصحاب ثلاثہ کسی طرح ہم صفیر و ہم نوا نہیں گردانے جاسکتے۔ ادب کے نظریے کا معاملہ ہو کہ فن کا، اردو تعلیم کی بات ہو کہ اردو سیاست کی، میں آنکھ موند کر سرور صاحب کی قیادت پر بھروسہ کرسکتا ہوں، یہ بھروسہ کہ وہ کبھی مجھے گمراہ نہیں کرسکتے، دغا نہیں دے سکتے۔ وہ ایسے مقتدا ہیں جو میرے غیر جلدار ل بھی خواہ رہے ہیں۔ میں بساط ادب کا ایک تنگ پونجیا ہوں اس کے باوصف وہ میرے بارے میں کیوں وقیع رائے رکھتے ہیں، اسے دکان بے رونق کی خریداری کے سوا کیا کہا جائے۔

۱۹۶۵ میں جموں یونیورسٹی کی اردو پروفیسری کے لیے سلکشن کمیٹی ہوئی۔ میں امیدوار تھا لیکن غیر حاضر تھا۔ سرور صاحب نے میرے حق میں سفارش کی جب کہ دوسرے ماہر صاحب کو تامل تھا۔ سرور صاحب کی رائے کو اہمیت دے کر اس جگہ اساتذہ کو منتخب کرلیا گیا۔ اسی طرح ۷۲-۱۹۷۱ میں جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں اردو پروفیسری کے لیے کمیٹی ہوئی۔ میرے ایک کرم فرمانے نامعلوم اسباب کی بنا پر مجھے اس منصب کے لیے مناسب نہ سمجھا۔ سرور صاحب میری تائید میں مورچہ سنبھالے رہے، کوئی فیصلہ نہ ہوسکا لیکن سرور صاحب نے میرا من تو جیت لیا۔ انجمن ترقی اردو (ہند) ہو کہ کوئی دوسرا ادارہ، میں ہمیشہ کمیٹیوں کی رکنیت سے پیچھے ہٹتا گیا اور وہ اصرار کر کے مجھ پر ابر کرم برسایا کیے۔ ۱۹۶۹ میں فراق صاحب نے مجھ سے کہا "آل احمد سرور سے بچ کر رہنا"۔ میں نے کہا کہ مجھے تو ان سے کوئی کھٹکا محسوس نہیں ہوتا۔ اس تخن ور نے کہا۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ وہ آپ کے گھر میں نقب لگانے گا اس سے احتیاط برتنا۔ میں نے احتیاط کو برتے رکھا اور میں سرور صاحب کی طرف سے کسی خسارے میں نہیں رہا۔

سرور صاحب کو میں نے پہلی بار کب دیکھا، اس کے بارے میں بچپن کا دھندلا سا تاثر ہے۔ میں ۱۹۳۹ سے ۱۹۴۱ تک گورنمنٹ کالج مراد آباد میں پڑھتا تھا اور ہوسٹل میں رہتا تھا۔ سرور صاحب اس زمانے میں رضا انٹر کالج رام پور کے پرنسپل رہے ہوں گے۔ ایک دن شاکر ہمارے اردو کے استاد فاروقی صاحب (اب تو ان کا پورا نام بھی یاد نہیں) کی دعوت پر آل احمد سرور ہمارے کالج میں تشریف لا رہے ہیں۔ میں نے انھیں کالج کے احاطے میں عمارت کی طرف جاتے دیکھا، اس طرح کہ وہ اور فاروقی صاحب ہوسٹل کے سامنے کی سڑک پر سے پیدل گزر رہے ہیں۔ سرور صاحب نے ٹوپی اور شیروانی زیب... کررکھی ہے، گلے میں گوٹے کا ہار پڑا ہے۔ کالج میں جاکر ان کا کیا ہوا، مجھے معلوم نہیں کیوں کہ انھوں نے طلبہ کو خطاب نہیں کیا۔ کالج میں یہ روایت تھی ہی نہیں، چناں چہ میں نے بھی نہیں دیکھا کہ باہر سے کسی نے کالج میں آکر طلبہ کو تخاطب کیا ہو۔ میرے ذہن میں اس بارونق شخص کے جو مبہم نقوش ہیں ان کے مطابق اس کی اور سرور صاحب کی وضع میں کوئی مناسبت نہیں واللہ اعلم، وہ سرور صاحب ہی تھے یا میرا لاوسیہ حافظہ دھوکا دے رہا ہے۔

سرور صاحب پہلے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں لکچرر تھے۔ وہاں سے چھوڑ کر رضا انٹر کالج رام پور کے پرنسپل ہوکر چلے گئے۔ میں ان کی اس ترجیح سے مطلق خوش نہیں۔ انھوں نے معلّمی پر انتظام کو ترجیح دی۔ اردو ادبیات کی تعلیم سے کنارہ کش ہوکر انتظام میں چلے گئے۔ اچھا نہیں کیا۔ ڈاکٹر زور کی غلطی اس سے بھی مضاعف ہے۔ انھوں نے عثمانیہ یونیورسٹی کی اردو پروفیسری کو ٹھکرا کر چادر گھاٹ کالج کی پرنسپلی پسند کی۔ بعد میں کالج سے ڈگری جماعتوں کا سقوط ہوگیا اور حیدرآباد کے بقیہ قیام میں زور صاحب پرنسپل چادر گھاٹ انٹر کالج رہے۔ سرور صاحب کچھ ہی سال بعد لکھنؤ یونیورسٹی میں ریڈر ہوگئے۔ ان کا انتخاب قدرے متنازعہ فیہ تھا۔ انھیں مقامی امیدوار احتشام حسین پر ترجیح دی گئی۔ ماہر سلکشن مولوی عبدالحق تھے۔ ایک زمانے میں لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو، فارسی میں ادب کے کیسے کیسے آفتاب و ماہتاب جمع ہوگئے تھے۔ ۵۳-۱۹۵۲ میں وہاں بہ یک وقت مسعود حسن رضوی، سرور صاحب، احتشام صاحب، ڈاکٹر نذیر احمد، ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی اور ڈاکٹر محمد حسن موجود تھے۔ ان سب کے اجتماع نے شعبے کو بکرماجیت کے نورتنوں کی سبھا بنا دیا ہوگا۔ آخرش مسعود صاحب ریٹائر ہوگئے۔ نورالحسن ہاشمی آخر تک ڈٹے رہے بقیہ سب کو اس بدبخت شعبے نے ایک ایک کرکے کھو دیا۔ ارباب حل و عقد کی کیسی کوتاہ بینی تھی کہ مسعود صاحب کے بعد سرور صاحب کو پروفیسر نہ بنایا۔ وہ علی گڑھ سدھار گئے۔ احتشام صاحب کو ریڈری پر ہی معلوب رکھا۔ انھیں الٰہ آباد نے بلالیا۔ کسی شعبے کو بنانا کتنا مشکل ہوتا ہے، بگاڑنا کتنا آسان۔ خدا خدا کر کے لکھنؤ یونیورسٹی نے آخر الذکر کام کتنی نرم دلی سے سرانجام دیا۔

۱۹۵۶ کے قریب میں نے مثنوی پرائی لغت کے لیے ریسرچ شروع کی۔ لکھنؤ میں نعمت اللہ روڈ پر سرور صاحب کی بڑی سی کوٹھی تھی۔ میں وہاں ان سے ملا۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارا ریسرچ کا تصور قینچی اور گوند کا نہیں، میں یہ سن کر سٹ پٹایا، مرعوب ہوا۔ اس وقت ان میں اور مجھ میں بہت فرق تھا، اب کم ہوگیا ہے۔ وہ مجھ سے عمر میں گیارہ بارہ سال بڑے ہیں، علم میں بہت زیادہ فرق ہے۔ پانچ سال اور ۱۷ سال کے شخص میں عمروں کا یہ فرق بہت نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ ۵۸ اور ۷۰ سال کے ہوتے تو دونوں ایک ہی نسل کے معلوم ہونے لگتے ہیں۔ وقت کے بہنے کے ساتھ ساتھ میں ان کے پاس ہوتا گیا۔ حمیدیہ کالج بھوپال اور کرم یونیورسٹی آچین میں ایم۔ اے اردو کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد مجھے ان سے ملنے جلنے کا زیادہ موقع ملا۔ وہ بارہا بھوپال میں میرے غلطت کدے میں مہمان رہے ہیں اور میں کئی بار علی گڑھ میں ان کے دارالسرور میں ٹھہرا ہوں، شبانہ روز ان کی علمی صحبت سے اکتساب کیا ہے۔

سرور صاحب کی جمالیاتی حس کا تذکرہ سننے میں آیا ہے۔ رشید احمد صدیقی نے ان سے گلاب کے پودے لانے کو کہا تھا۔ وہ نہ لائے اور یہ فقرہ تراش دیا کہ مجھے گل رخوں کے مشاہدے ہی سے فرصت نہ ملی۔ رشید صاحب نے اس چرب زبانی کے صدقے میں ان کی معذرت قبول کرلی۔ علی گڑھ میں سرور صاحب کو یونیورسٹی کا جو مکان ملا ہوا تھا وہ ایک وسیع کوٹھی تھی۔ اس میں سامنے کی طرف ایک بہت بڑا کمپاؤنڈ تھا جو نگہداشت کے بغیر بیٹر پڑا ہوا تھا۔ جگہ جگہ سوکھی لمبی گھاس اگی تھی۔ کسی نے سبزۂ بیگانہ کی بیخ کنی نہ کی تھی۔ میں کہ ازلی باغبان ہوں، اسے دیکھ کر حسرت سے ہاتھ ملنے لگا۔ کیا ہوا ان کا وہ جمالیاتی ذوق۔ اس صحن میں گل کاری کی جاتی تو کیا چھپا اور ڈیڑھا خانہ باغ ابھرتا۔ عمارت کا رنگ روپ نکل آتا۔

(بقیہ صفحہ ۔ پر)

پروفیسر آل احمد سرور کی ۱۰۱ویں سالِ ولادت پر خصوصی پیش کش

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں — مطبوعہ: ثمر آفسیٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲، راؤز ایونیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ) دو روپے، سالانہ: ۸۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکی ڈالر)
Phones: 23237210, 23236299, Fax: 011-23236299
E-mail: hamarizaban@atuh.org
http://www.atuh.org